عصرِ حاضر میں ہمارے سماجی رویے
(اسلامی تعلیمات کے تناظر میں ایک تحقیقی مطالعہ)

افتخار عالم *

عبد الرؤف ظفر **

دورِ حاضر ایک ترقی یافتہ دور ہے۔ خاص طور پہ جب پاکستان کے حوالے سے بات کی جائے تو یہاں شرح خواندگی گزشتہ ادوار کی کہیں زیادہ بہتر ہے۔ ہر شعبہ میں ترقی کے مناظر کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ حالیہ دور میں انڈسٹری کے ساتھ ساتھ تعلیم اور صحت کے شعبہ میں عدیم المثال ترقی ہوئی ہے۔ فی کس شرح آمدنی میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ لوگوں کا معیارِ زندگی بھی کسی حد تک بہتر ہوا ہے۔ اس سب کچھ کے باوجود جب ہم انسانی اقدار اور سماجی طرزِ عمل پر نظر دوڑاتے ہیں تو کچھ مایوسی سی ہوتی ہے۔ شرح خواندگی میں قابلِ ذکر اضافہ کے باوجود ہمارے سماجی رویوں میں شدت پسندی، حسد، مفاد پرستی اور خود غرضی جیسے عناصر کا واضح طور پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت حال کے اسباب و محرکات پر غور کیا جائے تو کئی امور کو زیر بحث لایا جاسکتا ہے لیکن فی الحال یہ ہمارا موضوعِ سخن نہیں ہے۔ مقالہ ہذا میں ہم دورِ جدید کے درج ذیل اہم سماجی رویوں کو اسلامی تعلیمات کے تناظر میں زیرِ بحث لائیں گے۔

۱۔ اقرباء کے ساتھ رویہ

۲۔ ماتحتوں کے ساتھ رویہ

۳۔ اقلیتوں کے ساتھ رویہ

۴۔ پسماندہ و کمزور طبقوں کے ساتھ رویہ

۱۔ اقراباء کے ساتھ رویہ:

اس عنوان کے ذیل میں ہم جملہ اقرباء کے ساتھ روا رکھے جانے والے رویوں کا مطالعہ پیش کریں گے

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا، پاکستان ۔

** چیئرمین (سابق) شعبہ علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا، پاکستان ۔

جن میں والدین، بیوی، اولاد، ساس بہو کا باہمی طرزِ عمل شامل ہے۔

انسان کی سماجی زندگی میں والدین کا کردار اہم ترین ہے کیونکہ انسان جنم دینے کے بعد والدین ہی انسان کا سب سے پہلا تعلیمی ادارہ ہیں جہاں سے وہ بولنا، بیٹھنا، اٹھنا اور چلنا سیکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اسلامی تعلیمات میں ان کا بہت سارا خیال رکھنے اور ان کے ساتھ بہترین طرزِ عمل اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر معاشروں میں بھی ان کی تعظیم اور تابع فرمانی کا درس دیا جاتا ہے۔ لیکن انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ترقی کے اس دور میں والدین کے معاملے میں عام طور پر رویوں میں تبدیلی مشاہدہ میں آئی ہے۔ جو تعظیم اور حیا کا عنصر برسوں سے چلا آ رہا تھا اب اس کا فقدان سامنے آ رہا ہے۔ ہمارے سماج میں والدین کے ساتھ سرکشی، نافرمانی کے واقعات آئے روز سننے کو ملتے بلکہ مشاہدے سے گزرتے ہیں، یہاں تک کہ والدین کو قتل تک کر دینے کے سانحات نے رویوں میں رونما ہونے والی اس تبدیلی کو نہایت ہی بھیانک روپ دیا ہے۔ ملکِ پاکستان کے طول و عرض میں ایسے دلخراش وقعات ذرائع ابلاغ میں رپورٹ ہوتے ہیں کہ روح کانپ اٹھتی ہے۔ مثال کے طور پر گوجرانوالہ میں ماں کے ساتھ بیٹے کا سفاکانہ طرزِ عمل کہ جس میں وہ جان سے گئی۔ (۱) اور بہاولنگر کے علاقے میں باپ کے ساتھ ایسا ہی طرزِ عمل رپورٹ ہوا۔ (۲)

روزانہ کی بنیاد پر اس طرح کے روح فرساء واقعات اخباروں میں آتے ہیں۔ دینِ اسلام نے والدین کے ساتھ نہایت عمدہ، نرم اور عاجزانہ سلوک روا رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (۳)
>
> اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انھیں اُف تک نہ کہو۔ اور نہ ہی انہیں جھڑکو اور ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور ان پر رحم کرتے ہوئے انکساری سے ان کے سامنے جھک کر رہو۔ اور ان کے حق میں دعا کیا کرو کہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔

ان آیات میں ایک نہایت قابلِ توجہ نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خالص عبادت کا حکم صادر کرنے

کے ساتھ ہی بغیر کسی توقف کے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے جس سے والدین کے ساتھ بہترین رویہ اپنانے کی اہمیت عیاں ہو جاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا ہے کہ وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک جب بڑھاپے کو پہنچ جائے تو تمہیں ان کے حق میں درج ذیل باتوں کی پابندی کرنی ہے:

۱۔ انہیں اُف تک نہیں کہنا۔ یعنی ہر تکلیف دہ اور ناگوار قول و فعل اور کسی بھی درجے کی گستاخی سے ہر صورت باز رہنا ہے جس سے والدین کو ذہنی یا روحانی اذیت پہنچے۔

۲۔ انہیں جھڑکنا بھی نہیں کیونکہ والدین کا مزاج بڑھاپے میں عام طور پر چڑچڑا سا ہو جاتا ہے، اس وجہ سے ان کی کسی بات پر اولاد کو غصہ نہ آنے پائے۔ یہاں تاکید کی گئی ہے کہ وہ والدین کی باتیں برداشت کرے۔

۳۔ والدین سے بات کرتے ہوئے نہایت ادب واحترام کا مظاہرہ کیا جائے اور ان سے نہایت کریمانہ برتاؤ کیا جائے۔

۴۔ والدین پر رحم کرتے ہوئے ان کے سامنے عاجزی اور انکساری کے ساتھ پیش آؤ۔

۵۔ ان کے لیے دعا گو رہو اور اللہ سے ان کے لیے رحم کی درخواست کرتے رہو۔

قرآنِ مجید میں مزید ارشاد ہوتا ہے:

أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (۴)

(یہ کہ میرا بھی اور اپنے والدین کا بھی شکریہ ادا کرو، میری طرف ہی لوٹنا ہے۔)

اللہ نے بندوں کو اپنا شکر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا اور اشرف المخلوقات کے منصب پر فائز فرمایا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ لیکن معاً ہی والدین کا شکریہ ادا کرنے کو بھی کہا ہے کیونکہ والدین ہی جوان ہونے تک ان کی پرورش اور خوراک و پوشاک بہم پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ جب والدین کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں باپ کی تعظیم اور شکر گزاری بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنا ضروری اللہ کا شکر کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں کئی مقامات پر والدین سے حسنِ سلوک سے پیش آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

إنّ من أكبرِ الْكبائِر أنْ يّلْعن الرّجل والديه- قيل: يارسول الله ﷺ وكيف يلعن الرّجل والديه؟ قال: يسبّ الرّجل أبا الرّجلِ فيسبّ أباهَ، ويَسبُّ أمّه فيَسبّ أمّه-(۵)

کبیرہ گناہ میں سے بڑا گناہ اپنے والدین کو گالی دینا ہے۔ سوال ہوا: اے اللہ کے رسول ﷺ ! آدمی کیسے اپنے والدین کو گالی دیتا ہے؟ جواب ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ (بدلہ میں) اس کے باپ کو گالی دیتا ہے، وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے تو (بدلہ میں) وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔

چنانچہ اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اپنے والدین تو کجا، کسی دوسرے کے والدین کو بھی برا بھلا نہیں کہنا چاہئے۔ دینِ اسلام نے تو یہاں تک تعلیم دی ہے کہ ماں باپ غیر مسلم بھی ہوں، ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ حضرت اسماء بنت ابو بکرؓ روایت کرتی ہیں:

أتتنی امّی راغبة فی عهد نبی صلی اللہ علیہ وسلم، فسألت نبی صلی اللہ علیہ وسلم أصلُها؟ قال: نعم-(۶)

(رسول اللہ ﷺ کے دور میں میری والدہ میرے پاس آئی جو کہ مشرکہ تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا، کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں۔)

دین اسلام سب کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنے کی تلقین کرتا ہے، لیکن اسلام سب سے زیادہ حسنِ سلوک کا حقدار والدین کو ٹھہراتا ہے۔ حضرت بہز بن حکیمؒ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں:

قلتُ : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! من ابرُّ؟ قال: أمکَ ثمَّ امّکَ ثمَّ أمّکَ ثمَّ اَباکَ-(۷)

(میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں سب سے زیادہ اچھا سلوک کس سے کروں، فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنی ماں کے ساتھ، پھر اپنے باپ کے ساتھ۔)

چنانچہ قرآن اور حدیث میں درج بالا آیات و احادیث کے علاوہ بھی کئی مقامات پر والدین کا مقام و مرتبہ بیان کیا گیا ہے اور ان سے عمدہ برتاؤ کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

والدین کے بعد انسان کی زندگی میں بیوی اور اولاد بے حد اہمیت کا حامل رشتے ہیں۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ انسان کی زندگی کا محور ہی اپنے بچے ہوتے ہیں بلکہ آجکل تو کبھی کبھی ماں باپ سے بھی زیادہ اہم ہو جاتے ہیں۔ بچوں کی پرورش، ان کی تعلیم، اچھی تربیت، ان کی جائز، ناجائز ضروریات کی تکمیل والدین کے لیے بے حد اہم ترجیحات ہوتی ہیں۔ لیکن دورِ حاضر کے سماج میں ایک قابلِ ذکر تعداد ایسے لوگوں کی

بھی ہے جن کا اپنی بیوی کے ساتھ رویہ نہایت غیر مناسب ہوتا ہے۔ ایسے میں ہمارے ہاں دو انتہائیں پائی جاتی ہیں؛ یا تو ان کو اس قدر اہمیت دے دی جاتی ہے کہ ان کے دفاع میں اکثر والدین سے بھی بدتمیزی ہو جاتی ہے۔ اور یا پھر ان کے ساتھ شدت پسندانہ اور غیر انسانی رویہ رکھا جاتا ہے۔ یہ دونوں صورتیں مناسب نہیں ہیں۔ عام طور پر اس کے درج ذیل اسباب ہوتے ہیں:

۱۔ کم جہیز لانا۔

۲۔ بچے نہ ہونا۔

۳۔ صرف بیٹیاں ہونا۔

۴۔ نشئی خاوند کا رقم کا مطالبہ کرتے ہوئے تشدد کرنا۔

ہمارے سماج میں بہت سے پر تشدد واقعات بیوی کے جہیز کم لانے یا نہ لا سکنے کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔ یہ ایک ایسی سماجی برائی ہے۔ تشدد کے بعض واقعات میں عورتوں کی جان بھی چلی جاتی ہے۔ چند روز پہلے کا واقعہ ہے اگوکی میں جہیز کم لانے پر خاوند نے ماں باپ سے مل کر بیوی کو پٹرول چھڑک کر آگ لگا کر زندہ جلا دیا۔ (۸)

عورت کی زندگی کا اہم مرحلہ شادی کے بعد ہی شروع ہوتا ہے اگر عورت کو اولاد نہ ہو تو پھر اس کی زندگی اجیرن بنا دی جاتی ہے۔ بانجھ پن سے مراد اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا نہ ہونا ہے۔ یہ ایک طبّی مسئلہ ہے جس کا شکار مرد بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے کئی اسباب و عوامل ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر حضرات کہتے ہیں کہ یہ لاعلاج نہیں ہے لیکن کچھ خواتین میں یہ مرض مستقل رہتا ہے۔ اولاد کا نہ ہونا یا اولاد میں صرف بیٹیاں پیدا ہونے کی صورت میں بھی بیوی کو قصور وار تصور کیا جاتا ہے اور اس کو لعنت و ملامت کی جاتی ہے۔ ترقی اور تعلیم یافتہ معاشرے میں ایسی مثالیں باعثِ شرم ہیں۔

اولاد میں بیٹیوں کو جنم دینا بھی ایک ناقابلِ معافی جرم بن کر رہ گیا ہے۔ اس جرم کی پاداش میں عام طور پر عورتوں کو پریشان کیا جاتا ہے اور ان پر تشدد بھی کیا جاتا ہے۔ اخبارات میں اکثر ایسی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ایک خبر کے مطابق بیٹیاں پیدا کرنے اور جہیز میں کار نہ لانے کی رنجش پر شوہر نے بیوی کو مبینہ طور پر ڈنڈوں اور آہنی راڈوں سے تشدد کا نشانہ بنا ڈالا، بیوی طبّی امداد کے لیے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال منتقل، ڈاکٹر نے تشدد کی تصدیق کر دی۔ (۹)

یہ بات کسی بھی عورت کے لیے ایک مستقل روگ ہے کہ اس کا شوہر نشے کی لت میں گرفتار ہو

جائے۔ ایسی عورتیں عموماً زندگی بھر بے چارگی کا شکار رہتی ہیں اور انہیں بے شمار مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی عورتوں کے شوہر چونکہ کسی روزگار کو قابل نہیں ہوتے، لہٰذا وہ تقاضا کرتے ہیں کہ بیوی اپنے والدین سے پیسے لے کر آئے تاکہ وہ اپنا نشہ پورا کر سکیں۔ لیکن ایسا کب تک چلتا ہے۔ جب وہ پیسے نہیں لاتی تو شوہر تشدد پر اتر آتے ہیں۔ایسی خبریں آئے روز اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ ایک اخبار کے مطابق شوہر نے نشے کیلئے پیسے نہ دینے پر حاملہ بیوی کو سر پر ڈنڈے مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (۱۰)

دورِ حاضر میں ایک رویہ ایسا بھی سامنے آیا ہے کہ خواتین کے مردوں پر تشدد کرنے لگی ہیں۔ یہاں تک بھی خبریں پڑھنے کو ملتی ہیں کہ بیوی نے اپنے شوہر کی جان لے لی وغیرہ۔ مثال کے طور پر چند روز قبل شیخو پورہ میں ایک ایسا ہی دلدوز واقعہ پیش آیا کہ ایک عورت نے آشنا کے ساتھ مل کر شوہر کو مار ڈالا۔ (۱۱)

ایسے واقعات گھریلو تشدد کے زمرے میں آتے ہیں۔ گھریلو تشدد سے مراد ایسا رویہ ہے جو پُر تشدد، دھمکی آمیز، ڈرا کر دبانے والا، حکم چلانے والا یا خوف پیدا کرنے والا ہو۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں لیکن کوئی بھی صورت کسی مہذب معاشرے میں چنداں قابل قبول نہیں ہے۔ افراد، خاندانوں، روزگار کی دنیا، سماج اور معاشرے پر اس کے سنگین اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے کے لوگ تشدد سے متاثر ہو سکتے ہیں خواہ ان کی عمر یا جنس کوئی بھی ہو۔ ایسے واقعات سماجی بے چینی، معاشی بدحالی اور نفسیاتی دباؤ کی نشاندہی کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں دین سے دوری بھی اس کا لازمی سبب ہے۔ پنجگانہ نماز کا اہتمام کرنے والا ذہنی طور پر ایسے ہیجان سے محفوظ رہتا ہے۔ وہ اللہ کے سامنے اپنے احوال کو بیان کرکے دوسرے لوگوں کی نسبت ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ نہایت اچھا برتاؤ کرنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بیویوں کے ساتھ کسی تشدد انگیز واقعہ کے رونما ہونے یا ہو سکنے کی صورت میں مردوں کو یہ ہدایت فرماتے ہیں:

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا (۱۲)

(اور جن بیویوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو، انہیں سمجھاؤ پھر خواب گاہوں میں ان کو الگ کر دو اور انہیں (بطور تنبیہ کے ہلکی) ضرب لگاؤ، پھر اگر وہ تمہارا کہا مان لیں تو انھیں ایذا پہنچانے کی راہ تلاش نہ کرو۔ بے شک، اللہ سب کے اوپر اور سب سے زیادہ بڑائی رکھنے والا ہے۔)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے اہل خانہ کے ساتھ پر تشدد سلوک سے باز رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد

نبوی ﷺ ہے:

لا تضربوا إماء اللّٰهَ-(۱۳)

اللہ کی بندیوں کو مت مارا کرو۔

یہی نہیں بلکہ حجۃ الوداع کے اہم ترین موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی عورتوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے کی تلقین فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔

اتقوا الله فی النساء فانكم اخذتموهن بامانة الله- (۱۴)

عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے اُنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت لیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنی عورتوں کے ساتھ ناروا برتاؤ اللہ کو بھی سخت ناپسند ہے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچا جائے۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ انسان اپنے مزاج کے برعکس کچھ بھی دیکھنا نہیں چاہتا، لہٰذا تشدد پر اتر آتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے کلامِ مجید میں اپنے مومن بندوں کی تعریف کرتے ہوئے ان کی کچھ صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک یہ صفت بھی بیان فرمائی ہے کہ وہ غصہ کو پی جانے والے ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنْ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ(۱۵)

(اور جو آسودگی میں اور تنگی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے نیک لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔)

نبیِ رحمت ﷺ نے غصے سے بہر صورت بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

أن رجلاً قال للنبي : أوصني، قال: لا تغضب- فردّد مراراً، قال: لا تغضب-(۱۶)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ نہ کیا کر۔ پس اس نے پھر دریافت کیا تو فرمایا: غصہ نہ کیا کر۔

غصہ کی کیفیت سے بچتے ہوئے آقا علیہ السلام نے کئی مواقع پر اپنے اہل خانہ کے ساتھ نرم رویہ رکھنے کی تلقین فرمائی اور اس شخص کو سب سے بہتر قرار دیا جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي-(۱۷)

(تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے اچھا ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بڑھ کر اچھا ہوں۔)

جہاں تک اولاد کے ساتھ ہمارے رویے کا تعلق ہے تو دورِ جدید میں اکثر والدین نئی نسل کی بدلتی ہوئی روش سے پریشان ہیں۔ وہ کبھی میڈیا کو اس کا مورد الزام ٹھہراتے ہیں تو کبھی انٹرنیٹ کو مگر وہ اپنی ذمہ داریوں کا محاسبہ نہیں کرتے۔ اس میں کوئی شک نہیں دورِ حاضر والدین سے اولاد کی تربیت کے انداز میں مزید فکر مندی اور بہتری کا تقاضا کر رہا ہے۔ رعب اور ڈانٹ ڈپٹ کا نسخہ بھی اب بے سود ہو چکا ہے۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں مشاہدہ کرتے ہیں والدین اپنی اولاد کے خودسر ہو جانے کا رونا روتے ہیں۔ ان کی زبان پر ہمیشہ رہتا ہے کہ بیٹی ایسی ہو گئی ہے اور بیٹا ایسا نکل آیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے بچے ہی تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کم تعلیم یافتہ والدین دورِ جدید کے تقاضوں پر پورے نہیں اتر رہے اور اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہیں۔ اس کے باوجود حالات سے نمٹنا بہر حال ضروری ہے۔ اولاد کی تربیت کے لئے ضروری ہے کہ ان کی خامیوں پر تبصرہ کرنے کے بجائے ان کی خوبیوں کا ذکر کیا جائے اور ان ہی کا جائزہ لیا جائے۔ اس طرح بچوں کو ان کی شخصیت اور اہمیت کا احساس دلایا جائے تو ان کے لئے انتہائی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

دوسری جانب صورت حال یہ ہے کہ ہمارے سماج میں، خاص طور پر شہروں میں آج کل اپنے بچوں کو اچھے سے اچھے اور مہنگے سکولوں میں پڑھانے کا رجحان رواج پا رہا ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اعلیٰ معیار کے حامل ادارے میں تعلیم دلوائے۔ یہ ایک اچھا رجحان ہے جو کہ چند برس پہلے تک موجود نہیں تھا۔ لیکن ایسے میں ایسی مثالیں بھی مشاہدے سے گزرتی ہیں کہ بعض لوگ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے بارے میں چنداں فکر مند نہیں ہوتے اور نہ ان کے مستقبل کے لیے کوئی منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ عام طور پر خود علم سے عاری اور جاہل ہوتے ہیں۔ ہمارا عالمگیر مذہب ہمیں بچوں کے بارے میں کئی واضح احکام دیتا ہے جن میں سے درج ذیل نہایت اہم اور بنیادی ذمہ داریاں ہیں۔

اچھا نام رکھنا: اسلام اپنے بچوں کے غلط معانی والے یا بے مقصد و بے معانی نام رکھنے سے منع کرتا ہے بلکہ اچھے نام رکھنے چاہئیں کیونکہ نام کے شخصیت پہ اثرات ہوتے ہیں، سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے:

اَنّ النَّبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کَان یُغیِّر الِاسم القبیح۔ (۱۸)

(رسول اللہ ﷺ برے نام تبدیل فرمادیا کرتے تھے۔)

اور اچھے ناموں کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ترین نام عبداللہ اور

عبدالرحمٰن ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَحَبُّ الاسماء اِلی اللّٰہِ عزَّ و جلَّ عبداللّٰہِ و عبدالرحمٰنِ-(۱۹)

(اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔)

لہٰذا اپنے بچوں کا اچھا نام رکھنا والدین کی اولین ذمہ داری ہے، اور انہیں اس ذمہ داری کو بخوبی نبھانا چاہیے۔

اچھی تربیت کرنا: والدین کی دوسری اہم ترین ذمہ داری بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنا ہے۔ یہ والدین کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ بچوں کی تربیت شرعی ماحول میں کریں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

مَا من مَولُودٌ اِلَّا یُولدُ علی الفِطرةِ فَاَبَوَہ یُھَوِّدانِہ او یُنصِّرَانِہ او یُمَجِّسانِہ-(۲۰)

(ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، اس کو والدین اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔)

اس حدیثِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ بچے کی تربیت کے ذمہ دار صرف اور صرف اس بچے کے والدین ہیں۔ تربیت میں نماز کی عادت ڈالنا بھی شامل ہے۔ اور وہی والدین اپنے بچوں میں نماز کی عادت ڈال سکتے ہیں جو خود نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

مُرُوا اولادکُم بِالصلوٰۃ وھم ابناءسبع سنین واضرِبُوھم علیھاوھم ابناءُ عَشْرسنین-(۲۱)

(اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہوں اور جب وہ دس برس کے ہو جائیں تو نماز (چھوڑنے) پر مارو۔)

اسلام میں نماز کی تربیت پر زور اس لیے دیا جاتا ہے کیونکہ نماز سے حیاء اور اچھے کاموں کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے اور بے حیائی اور برے کاموں سے بیزاری پیدا ہوتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ-(۲۲)

(بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔)

اولاد کی اچھی تربیت کی ہو گی تو ایسی اولاد والدین کے لیے صدقۂ جاریہ روز قیامت ان کے بلندیٔ درجات اور نجات کا باعث ہو گی۔ سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِذا ماتَ الانسانُ انْقَطَعَ عنهُ عَمَلُه اِلَّا مِن ثلاثۃٍ؛ صدقۃٍ جارِیۃٍ او علمٍ یُنْتَفَعُ بہ اَو وَلَدٍ صَالِحٍ یدعُوْ لَہ-(۲۳)

(جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین کے؛
صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے، نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد بھی جن اعمال کا اس کو فائدہ ہو گا ان میں سے ایک اولاد کی اچھی تربیت بھی ہے۔ جب بھی اولاد نیک عمل کرے گی تو اس کا ثواب والدین کو بھی ملتا رہے گا۔

دورِ حاضر میں رشتہ داروں کے باہمی تعلقات بھی خرابی کا شکار نظر آتے ہیں۔ باہمی احساس ختم ہو گیا ہے۔ رشتہ داروں کا آپس میں جو پہلے محبت اور اپنے پن کا تعلق ہوتا تھا وہ تقریباً ناپید ہو چکا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے اس قدر طوالت اختیار کر جاتے ہیں کہ ہمیشہ کے لیے تعلق ختم کر دیا جاتا ہے۔ اپنی رائے کے خلاف کوئی بات سننا ہی نہیں چاہتا۔ ہر کوئی اپنی رائے کو حتمی تصور کرتا ہے۔ چنانچہ رشتہ داروں کے ساتھ بھی ہمارے رویے اچھے خاصے تبدیل ہو گئے ہیں۔ پہلے وقتوں میں رشتہ داروں کے ساتھ تعلق کو بہت ترجیحی بنیادوں پر نبھایا جاتا تھا لیکن ہمارے سماج میں آج کے انسان میں خود غرضی کا عنصر واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔ نفسا نفسی کے اس دور میں ہر کسی کو اپنی پڑی ہوئی ہے، معاشرہ میں قطع رحمی ایک عام سی بات سمجھی جاتی ہے، ذرا سی اَن بَن پر رشتہ داروں سے دوری روز مرہ کا معمول بن چکا ہے۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے برسہا برس تک ایک بھائی دوسرے بھائی کی صورت دیکھنا تک گوارا نہیں کرتا۔ کوئی عفو ودر گذر سے کام لے کر صلح کے لیے آمادہ نہیں۔ موجودہ دور میں مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں اور اللہ کے فضل و کرم، رحمت و برکت سے محرومی کا جو منظر دنیا دیکھ رہی ہے، بلاشبہ اس کا سبب دین سے دوری اور شریعت کے رہنما اصولوں سے رو گردانی ہے۔ علاوہ ازیں جہالت، احساسِ برتری، حسد، خوش اخلاقی کا فقدان، وراثت کی غیر منصفانہ تقسیم اس کے عمومی اسباب میں شامل ہیں۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَنَا الرَّحْمانُ و ھی الرّحیم شَقَقْتُ لَہَا اِسْماً من اِسمی مَنْ وَصَلَها وَصَلْتُه وَمَنْ قَطَعَها بَتَتُّه۔(۲۴)

(میں رحمٰن ہوں، میں رحیم ہوں۔ میں نے اپنے نام رحمٰن کے مادّہ سے نکال کر اس کو "رحم" نام دیا ہے۔ لہٰذا جو اسے جوڑے گا میں اس کو جوڑوں گا اور جو اس کو توڑے گا میں اس کو توڑوں گا۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے تخلیق کا کچھ ایسا نظام بنایا ہے کہ ہر پیدا ہونے والا انسان رشتے کے اٹوٹ

بندھنوں میں بندھا ہوتا ہے پھر ہر رشتے کے کچھ حقوق اور تقاضے ہیں، ان حقوق و تقاضوں کو مذکورہ بالا حدیث میں "رحم" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے جو اللہ کے پاک نام "رحمٰن" سے نکلا ہے۔ لہٰذا جو بھی انسان فطرت کے رکھے ہوئے اور اللہ کے متعین کئے ہوئے ان حقوق اور تقاضوں کو ادا کرے گا اور صلہ رحمی کا معاملہ کرے گا اس کے لئے اللہ نے اس انعام کا اعلان کیا ہے کہ اللہ اس کو جوڑے گا اور اس کے برعکس جو کوئی قطع رحمی کا معاملہ کرے گا اور رشتہ وقرابت کا لحاظ نہ کرے گا ان حقوق و تقاضوں کو پامال کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے متعین کئے اور انسان کی فطرت میں رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو توڑ دے گا اور اپنے سے جدا کر دے گا اور اپنے قرب، اپنے رحم وکرم اور خصوصی عنایات سے محروم کر دے گا۔ لہٰذا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی، عفو ودرگذر کو لازم پکڑے، اور قطع رحمی وغیرہ سے مکمل پرہیز کرے۔

ہمارے جدید اور تہذیب یافتہ معاشرے میں ساس اور بہو کے باہمی معاملات کشیدگی کا شکار رہتے ہیں۔ اکثر گھروں میں ان کی لڑائی معمول کی بات ہے۔ شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں یہ مسئلہ درپیش نہ ہو۔ جنریشن گیپ یعنی ساس کو دقیانوسی اور بہو کو نئے زمانے کی چیز کہا جاتا ہے۔ سماج کے ایک بڑے طبقے کی یہ سوچ رہی ہے کہ خاندانی جھگڑوں میں اصل سبب ساس کا اکھڑ رویہ ہوتا ہے۔ مانا جاتا ہے کہ ساس ہی غصیلی اور دخل اندازی کرنے والی ہوتی ہے۔ اگرچہ ابھی بھی کچھ اچھے لوگ باقی ہیں لیکن اکثر معاملات ایسے ہی ہیں۔ نہایت خوش قسمت ہیں وہ گھر جہاں اخلاقی قدریں ہنوز زندہ ہیں، چھوٹے اپنے بڑوں کا ادب لازم پکڑتے ہیں اور بڑے چھوٹوں سے محبت و شفقت کا سلوک کرتے ہیں۔ ساس بہو کے جھگڑوں میں جیت ہوتی ہے تو صرف شیطان کی، یا ان فتنہ پرور لوگوں کی جنہیں اس طرح کے فسادات سے لطف ملتا ہے۔ دونوں کے باہمی طرزِ عمل کے تباہ کن نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ہر وقت کی ناچاکی کئی بیماریوں کو جنم دیتی ہے۔ یہ کشیدگی نے ذہنی دباؤ کا سبب بنتی ہے۔ قصور جس کا بھی ہو، ان جھگڑوں کے نتیجے میں خودکشی کے واقعات بھی رونما ہوئے ہیں۔ ایک خبر کے مطابق لاہور میں بہو سے جھگڑے پر دلبرداشتہ ہو کر بیوہ نے خودکشی کر لی۔ (۲۵)

لیکن اگر اس صورت حال کا سارا الزام ساس پر لگایا جائے تو یہ مناسب نہ ہوگا۔ بہو بھی سسرال میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر پاتی تو گھر والوں پر استحصال کا الزام لگانا شروع کر دیتی ہے۔ اگر دونوں جانب سے ایک دوسرے کی حیثیت کو تسلیم کر لیا جائے اور ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھا جائے تو یقیناً ایسی تکلیف دہ صورتِ حال سے بچاؤ ممکن ہے۔ شریعتِ اسلامی میں ان دونوں ہستیوں کی حیثیت واضح کی گئی ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے ہاں عورت ہر حیثیت میں معاشرہ کی کم تر اور ایک اضافی چیز سمجھی جاتی ہے۔ بیٹی ہے تو جائیداد سے

محروم، بیوی ہے تو شوہر کی لونڈی۔ سسرال والے اس سے ہمہ قسم کی خدمت لینا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ فرمانبرداری اپنے خاوند کی فرض ہوتی ہے کیونکہ وہ اس کا سرپرست ہے۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اِذا دعا الرّجلُ زوجته لِحاجتِهِ فلْتأته و اِن كانت على التّنورِ-(۲۶)

(خاوند اپنی بیوی کو جب بھی اپنی ضرورت کے لیے پکارے تو وہ فوراً آئے خواہ وہ تنور پر ہی کیوں نہ ہو۔)

علاوہ ازیں عورت صرف اپنے بچوں کے لئے مشقت اٹھانے کی ذمہ دار ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَوَصَّيْنَا الإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ-(۲۷)

(اور ہم نے انسان کے جسے اس کی ماں نے تکلیف پہ تکلیف برداشت کرکے پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے۔ اور پھر اسے دودھ پلاتی ہے اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے، میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے والدین کا بھی۔)

دورانِ حمل عورت کی جسمانی حالت مسلسل تغیر پذیر رہتی ہے،ان ایام میں عورت اس قابل ہی نہیں ہوتی کہ وہ مسلسل کام کرتی رہے، لیکن پھر بھی وہ کرتی ہے۔ حالانکہ اسے اس دوران میں آرام کی ضرورت ہوتی ہے اور اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے نماز، روزہ، حج، جہاد اور نفلی عبادات میں خاصی حد تک اس کے لیے تخفیف کی ہے تاکہ وہ اپنے بچوں کی نگرانی اور تربیت کا فریضہ اطمینان اور یکسوئی سے ادا کرسکے۔

مزید برآں وہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے اپنی خوشی سے خاوند کے رشتہ داروں میں سے کسی کے کام آسکتی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللہ يَاْمُرُبِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ اِيْتَاءِ ذِی الْقُرْبیٰ-(۲۸)

(بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کرنے کا اور اپنے رشتہ داروں کے حق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے۔)

اگر خاوند کی اطاعت اور بچوں کی نگرانی کے علاوہ عورت اپنے خاوند کی اجازت سے کسی قرابت دار کی خدمت کرے تو یہ اس کا احسان ہوگا۔لہٰذا وہی عورت ایک کامیاب بہو ہوگی جو احسان کی روش اختیار کرے گی۔ جب وہ ایسا کرے گی تو یقیناً اس کے ساتھ بھی سلوک اچھا کیا جائے گا۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

هَلْ جَزَاءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانِ-(۲۹)

(کیا بھلائی کا بدلہ بھلائی نہیں ہے؟)

رسول اللہ ﷺ نے بھی بڑوں کا ادب اور احترام کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

لَیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یُوقِّر کبیرنا۔(۳۰)

(وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا احترام نہ کرے۔)

اس حدیثِ مبارکہ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں امت کے تمام چھوٹوں کو بڑوں کا ادب کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور تمام بڑوں اور بزرگوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ اپنے سے چھوٹوں سے شفقت کا معاملہ کریں۔ چنانچہ اگر اس حدیث پر عمل کیا جائے تو گھر میں اور سماج میں ساس بہو سمیت کسی کے مابین جھگڑے کی صورت پیدا نہ ہو۔

۲۔ ماتحتوں کے ساتھ رویہ:

جہاں تک اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمارے رویوں کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں ہماری حالت نہایت گر چکی ہے۔ ماتحتوں میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو آپ کے زیرِ اثر ہوں، جن پہ آپ کی مرضی اور منشاء چلتی ہو۔ مثلاً نوکر چاکر، آفس میں ماتحت، گھر کے زیرِ کفالت افراد۔ اس طبقہ کے لوگوں کو زمانۂ قدیم سے ہی کچھ اچھے برتاؤ کے قابل نہیں سمجھا جاتا رہا۔ ان کا استحصال آغازِ معاشرت سے ہی ہوتا چلا آرہا ہے، الّا قلیل۔ عصرِ حاضر میں اس استحصال نے تشدد کا روپ دھار لیا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصے میں ملازمین بالخصوص ملازم بچوں، بچیوں پر تشدد واقعات میں بے پناہ اضافہ دیکھا گیا ہے۔ ایسے واقعات اکثر و بیشتر پیش آتے اور اخباروں کی خبروں میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ تھوڑا ہی عرصہ قبل لاہور میں دو ننھی منی گھریلو ملازماؤں کی پر تشدد ہلاکت کا واقعہ پیش آیا۔ (۳۱) ہمارے رویوں میں تشدد کی اس حالیہ لہر نے پسماندہ طبقات کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ یقیناً اس جہالت کا بڑا سبب اپنے دین سے دوری ہے۔ اس معاملہ میں ہمارے دین میں واضح راہنمائی موجود ہے۔ جہاں رسول اللہ ﷺ نے خدام کے ساتھ نرمی، ماتحتوں کے ساتھ اخوت کے پہلو کو اپنانے کی ترغیب دی، وہیں غلاموں کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کرنے، انہیں آزاد کرنے کی ترغیب دی۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اخوانکم خَوَلکم،جعلهم الله تحت ایدیکم، فمن کان أخوه تحت یدیه فلیطعمه مما یأکل،والیلبسه مما یلبس،ولا تکلفوهم ما یغلبهم،فإن کلفتموهم فاعینوهم۔(۳۲)

(تمہارے خادم تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ نے انہیں تمہارا ماتحت بنایا ہے، جو خود کھاؤ اپنے خادم کو کھلاؤ، جو خود پہنو، وہ اپنے خادم کو بھی پہناؤ، ان پر ضرورت سے زائد بوجھ مت ڈالو، اگر ڈالو تو تم بھی ان کی اعانت کرو۔)

سیدہ عائشہؓ روایت فرماتی ہیں:

ما ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خادماً ولا اِمرأۃً قطُّ-(۳۳)

(رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی کسی خادم کو نہ مارا اور نہ ہی کسی عورت کو مارا۔)

رسول اللہ ﷺ نے جیسے خود مارنے سے احتراز کیا، اسی طرح صحابہ کرامؓ کو بھی اس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے غلام کو مار رہا تھا، میں نے اپنے پیچھے ایک آواز سنی: "جان لو ابو مسعود! اللہ تم پر اس غلام سے زیادہ قادر ہے۔" اس آواز کی جانب متوجہ ہوا تو نبی ﷺ کو موجود پایا۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ غلام اللہ کے لیے آزاد ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

یا ابا مسعود! أما لو لم تفعل، للفحتک النار، او لمستک النار-(۳۴)

(ابو مسعود! اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں آگ چھو لیتی۔)

اسی طرح اگر بتقاضائے بشریت ماتحت سے غلطی ہو جائے تو اس سے انتقام نہ لیا جائے، اس کی پکڑ نہ کی جائے، اس پر سختی نہ کی جائے، عفو و درگزر کی راہ اپنائی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ امت کو اسی کا پیغام دیا، ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر دریافت کیا خادم کو ہم کتنی دفعہ معاف کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے، سوال دہرایا گیا تو پھر خاموش رہے، جب تیسری دفعہ سوال ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اعفوا عنہ فی کل یوم سبعین مرّۃً-(۳۵)

(روزانہ ستر دفعہ معاف کیا کرو۔)

چنانچہ مختلف مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے ماتحتوں کے ساتھ نرمی، محبت، الفت اور رحمت کے پہلو اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔

۳۔ اقلیتوں کے ساتھ رویہ:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ تشدد اور عدم برداشت نے ہر طبقہ کو متاثر کیا ہے۔ دنیا میں یہ روایت جڑ پکڑ چکی ہے کہ کمزور اور محکوم طبقے طاقتور طبقے کے تشدد کا نشانہ بنتے ہیں۔ اس سلسلہ میں کشمیر اور فلسطین کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ بھارت جو کہ ایک نام نہاد سیکولر ملک ہے اور دنیا کی بڑی جمہوریت ہونے کا دعوے دار ہے، وہاں ہندو تنظیموں کی طرف سے آئے روز غیر ہندو اقلیتوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بابری مسجد کا انہدام، گجرات میں ہونے والے مسلم کُش فسادات اس پر

تشدد رویے کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ابھی کچھ روز پہلے کی بات ہے کہ نا معلوم حملہ آوروں نے عیسائیوں کے ایک چرچ پر حملہ کر دیا۔(۳۶)

بھارت میں پہلے مسلمانوں کی حب الوطنی پر سوال اٹھایا جا رہا تھا، اب مسلم آبادی کنٹرول کرنے کا منصوبہ بھی سامنے آگیا ہے۔بی جے پی حکومت کے ایک وزیر گری راج سنگھ نے کہا ہے کہ مسلمانوں پر پابندی لگائی جائے کہ وہ دو سے زیادہ بچے پیدا نہ کریں۔(۳۷)

پاکستان میں شانتی نگر(خانیوال) (۳۸)اور گوجرہ(۳۹) میں مسیحی برادری پر تشدد کے واقعات دورِ حاضر میں ہمارے رویوں میں شدت پسندی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جبکہ اسلامی ریاست میں سماج کے دیگر طبقات کی طرح اقلیتوں کو بھی ان تمام حقوق کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے جن کا ایک مثالی معاشرے میں تصور کیا جا سکتا ہے۔دینِ اسلام میں کسی کو زبردستی اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے احسن انداز میں ترغیب دینے کا حکم فرمایا ہے،ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنْ الغَيِّ-(۴۰)

(دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ہدایت واضح طور پر ظاہر اور گمراہی سے الگ ہو چکی۔)

اسلام مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ اقلیتوں سے نیکی، انصاف اور حسن سلوک پر مبنی رویہ اختیار کریں۔قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَنهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَO (۴۱)

(اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بیشک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔)

نبی ﷺ کے درج ذیل فرمان سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں اقلیتوں کے حقوق کو کتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے:

ألاَ مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أو انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ-(۴۲)

(خبردار! جس نے کسی اقلیتی فرد پر ظلم کیا یا اس کا حق غصب کیا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو روزِ قیامت میں اس کی طرف سے جھگڑوں گا۔)

لہٰذا اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں قرآن وسنت کی عطا کی گئی تعلیمات اور دور نبوت و دور خلافت راشدہ میں اقلیتوں کے حقوق کے احترام و تحفظ کے ان روشن نظائر سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مسلم ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کو وہ حقوق اور تحفظ حاصل ہے جن کا تصور بھی کسی دوسرے معاشرے میں نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ پسماندہ و کمزور طبقوں کے ساتھ رویہ:

عصرِ حاضر میں ہمارے سماجی رویوں میں جو تبدیلیاں نوٹ کی گئی ہیں ان میں ایک واضح تبدیلی سماج کے پسماندہ اور کمزور طبقوں کے ساتھ ہمارے رویوں میں تبدیلی ہے۔دنیا بھر میں پسماندہ طبقوں کا استحصال بہت عام ہے لیکن جب ہمارے سماج کی بات آتی ہے تو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ ہونے کے باوجود یہ روش ہمارے ہاں بھی اسی طرح عام ہے جیسا کہ دیگر معاشروں میں ہے۔اس طبقے میں عام طور پر سائل، یتیم، مسافر اور نادار لوگ شامل ہیں۔ جہاں تک دورِ حاضر میں سائلوں کے ساتھ ہمارا رویہ کا تعلق ہے تو بعض اوقات یہ خاصا ترش ہو جاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں بھیک مانگنا ایک باقاعدہ پروفیشن کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اچھے خاصے صحت مند لوگوں کو ہم بھیک مانگتے دیکھتے ہیں۔ حالیہ برسوں میں تو ان کی تعداد میں خاصا اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ایسے میں جو حقیقت میں ضرورت مند لوگ ہیں وہ محروم ہی رہ جاتے ہیں۔ لیکن بہر کیف اسلام نے ہمیں ان کے بارے میں بھی واضح ہدایات جاری کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (۴۳)

(اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق ہوتا ہے۔)

مزید برآں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر تاکید فرمائی کہ سائل کے ساتھ سختی سے پیش نہ آو، چنانچہ ارشاد ہوا:

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (۴۴)

(اور سائل کو مت جھڑکو۔)

محروم اور پسماندہ طبقہ کے ساتھ ہم بے اعتنائی کی روش اختیار کیے رکھتے ہیں۔ ان کی بات کو کوئی

اہمیت نہیں دیتے۔ غرضیکہ انہیں ان کی محرومی کا خوب خوب احساس دلایا جاتا ہے۔ حالانکہ مال و دولت قدرت کی تقسیم ہے۔ اسلام کے آئینے میں سب برابر ہیں۔ فضیلت کی بنیاد تقویٰ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰأَيُّهَا النّاسُ إِنّاخَلَقنٰكُم مِن ذَكَرٍوَأُنثىٰ وَجَعَلنٰكُم شُعوبًا وَ قَبائِلَ لِتَعارَفوا ۚ إِنَّ أَكرَمَكُم عِندَاللَّهِ أَتقىٰكُم-(۴۵)

(لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو زیادہ متقی ہو۔)

نبی کریم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا تھا:

أيها الناس إن ربكم واحد وإن اباكم واحد، كلكم بنو أدم و أدم من تراب،ألا لا فضل لعربى على عجمى ولا لعجمى على عربى ولا لأحمرعلى أسود ولالأسود على أحمر إلا بالتقوى-(۴۶)

(لوگو! بلاشبہ تم سب کا ربّ ایک اور باپ بھی ایک ہے۔ تم سب آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔ سن رکھو! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، نہ ہی کسی گورے کو کالے پر اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت اگر ہو سکتی ہے تو صرف تقویٰ کی بنا پر ہو سکتی ہے۔)

آج جبکہ معیار ہی یکسر بدل گئے ہیں۔ صاحبِ ثروت لوگ (الّا قلیل) پسماندہ حیثیت کے حامل لوگوں کو کم تر تصور کرتے ہیں۔ دورِ حاضر میں پسماندہ طبقوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے رویوں میں جو تبدیلی ہم روز مرہ زندگی میں دیکھتے ہیں، دینِ اسلام اس کا ایسا درس ہمیں ہرگز نہیں دیتا، بلکہ اس کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

بِحَسْبُ اَمْرِيءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمِ-(۴۷)

(کسی مسلمان کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔)

گویا کہ اس عمل کو آقا علیہ السلام نے سخت ناپسند فرمایا ہے۔ بچے اگر اپنے والدین کے سائے سے محروم ہو جائیں یا کسی بچے کی ذمہ داری اٹھانے والا باپ ہی دنیا میں نہ رہے تو عموماً ایسے بچوں کی پرورش اور تربیت درست طریقے پر نہیں ہو پاتی۔ ایسے بچوں کی ایک بڑی تعداد گھروں ہوٹلوں اور دکانوں پر کام کرتی ہوئی

نظر آتی ہے۔علاوہ ازیں دورِ حاضر میں ایسے بچوں کو ان کی بے کسی کے سبب ان کے حقوق سے محروم کرنے کی روش عام ہوتی جارہی ہے۔دنیا میں ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ظلم وزیادتی سے یتیموں اور بے سہارا بچوں کے حقوق چھین لیتے ہیں۔یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔دینِ اسلام نے خصوصی طور پر تاکید فرمائی ہے کہ یتیموں کا حق ادا کیا جائے'ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے اور ان کے مال پر قبضہ نہ کیا جائے۔ارشاد ربانی ہے:

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ٥ (۴۸)

(جو یتیم ہے اسے مت دباؤ۔)

ایک اور مقام پر مزید تاکید فرمائی:

وَلاَ تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلاَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّه۔ (۴۹)

(اور یتیم کے مال کے پاس نہ پھٹکو'مگر اس طریقہ سے جو اس کے حق میں بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں۔)

اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا اور فرمایا گیا:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (۵۰)

(جو لوگ ظلم وزیادتی سے یتیموں کا مال ہڑپ کر رہے ہیں،وہ تو بس اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پڑیں گے۔)

مذکورہ آیات کے علاوہ بھی قرآن میں بہت سے مقامات پر یتیموں کے مال سے دور رہنے کی تاکید آئی ہے اور ان کے اموال پر زبردستی قبضہ کرنے پر جہنم کے عذاب کا خوف دلایا گیا ہے۔ہمارے سماج میں ایک کمزور طبقہ ایسا بھی پایا جاتا ہے جو مفلسی کے سبب قابل رحم حالت میں زندگی بسر کر رہا ہے۔اس طبقے کو مسکین کہہ سکتے ہیں،یعنی ایسا غریب انسان جس کے پاس کچھ بھی نہیں۔نہ تو ایک وقت کا کھانا ہے اور نہ ہی بدن چھپانے کے لئے لباس،ایسے انسان کو مالِ زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا گیا ہے اور زکوٰۃ کے مستحق سات طبقات میں قرآن نے اسے بھی شمار کیا ہے۔یعنی یہ وہ طبقہ ہے جس کا حق ہر صاحب ثروت مسلمان کے مال میں ہے۔اگر مالدار شخص اپنے مال سے اس کی مدد نہیں کرتا' تو اللہ کی بارگاہ میں اس سے بازپرس ہوگی۔مسکینوں کے حقوق نہ ادا کرنا قانون الٰہی کی نظر میں جرم عظیم ہے اور ایسے شخص کے لئے جہنم کے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔اللہ جل شانہٗ حکم صادر فرمائیں گے:

خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ إِنَّهُ كَانَ لاَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَلاَ يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ (۵۱)

(اس کو پکڑو، پھر اس کو طوق پہنادو۔ پھر اس کو جہنم میں جھونک دو۔ پھر ایسے زنجیر کے ساتھ اسے جکڑ دو جس کی لمبائی ستر گز ہے۔یہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا تھااور نہ مسکینوں کے کھلانے پر لوگوں کو ابھارتا تھا۔)

قرآنِ کریم کی ان آیات سے اس معاملے کی سنگینی سمجھ آسکتی ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی غربت کو سفید پوشی کی چادر میں چھپائے رہتے ہیں۔ان کی ضرورتیں پوری نہیں ہو پاتیں مگر شرم وغیرت کے سبب کسی کے سامنے ہاتھ بھی نہیں پھیلاتے۔ایسے لوگ بھی انہی پسماندہ طبقات میں شمار ہوتے ہیں۔

علاوہ ازیں مسافر بھی ایسے طبقوں میں سے ہیں کیونکہ وہ اپنے گھر اور خاندان سے دور ہوتا ہے۔وہ اپنے گھر میں ممکن ہے مالدار ہو مگر حالت سفر میں وہ اس لائق ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔دورِ حاضر میں ہم دیکھتے ہیں کہ آئے دن ذرائع ابلاغ میں مسافروں کے لٹنے کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ٹرینوں میں چوروں کے گروہ بے ہوشی کی دوائیں کھلا کرانہیں لوٹ لیتے ہیں۔یہ افسوسناک بات ہے۔عہد قدیم میں قافلے لوٹے جاتے تھے اور ڈاکوؤں کے گروہ ویرانوں میں پناہ لئے ہوتے تھے مگر آج دور بدل چکا ہے تو لٹیروں کے طریقے بھی بدل چکے ہیں۔البتہ قرآن کریم کے احکام ہر دور کے لئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے مسافروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔فرمایا گیا:

قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ- (۵۲)

(کہہ دو جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔)

مزید ارشاد ہوتا ہے:

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيلِ-(۵۳)

(اور اللہ ہی کی بندگی کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔)

ضرورت اس امر کی ہے کہ دورِ حاضر میں اصلاح احوال کے لئے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے

ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے رہنمائی حاصل کر کے کما حقہٗ ان پر عمل کیا جائے تاکہ عصرِ رواں کے غیر مناسب رویوں کی اصلاح کے ساتھ ساتھ دنیا وآخرت کی فلاح کا ساماں ہو سکے۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) روز نامہ نوائے وقت، لاہور (۱۹ اکتوبر ۲۰۱۳) ص: ۱۲۔

(۲) روز نامہ پاکستان، راولپنڈی (۱۱ اکتوبر 2015) ص: ۸۔

(۳) بنی اسرائیل (۱۷) ۲۴، ۲۳۔

(۴) لقمان (۳۱) ۱۴۔

(۵) بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۹۹ء) ص: ۱۰۴۶، رقم الحدیث: ۵۹۷۳۔

(۶) ایضاً، ص: ۱۰۴۷، رقم الحدیث: ۵۹۷۸۔

(۷) ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، السنن (الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء) ص: ۱۰۱۲، رقم الحدیث: ۵۱۳۹۔

(۸) روز نامہ پاکستان، لاہور (۱۷ فروری ۲۰۱۶۔ (ص: ۸۔

(۹) روز نامہ نوائے وقت، لاہور (۱۷ جون ۲۰۱۳) ص: ۳۔

(۱۰) روز نامہ دنیا، لاہور (۷ مئی ۲۰۱۳) ص: ۴۔

(۱۱) ایضاً (۳ فروری ۲۰۱۶ء) ص: ۱۱۔

(۱۲) النساء (۴) ۳۴۔

(۱۳) ابو داؤد، السنن، ص: ۳۳۴، رقم الحدیث: ۲۱۴۶۔

(۱۴) ایضاً، ص: ۳۸۸، رقم الحدیث : ۱۹۰۵۔

(۱۵) آل عمران (۳) ۱۳۴۔

(۱۶) ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، السنن (الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولیٰ ۱۹۹۹ء) ص: ۴۶۵، رقم الحدیث: ۲۰۲۰۔

(۱۷) ایضاً، ص:۸۷۸، رقم الحدیث: ۳۸۹۵۔
(۱۸) ایضاً، ص:۶۳۸، رقم الحدیث: ۲۸۳۹۔
(۱۹) ایضاً، ص:۹۷۷، رقم الحدیث: ۴۹۴۹۔
(۲۰) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۲۱۷، رقم الحدیث: ۱۳۵۸۔
(۲۱) ابوداؤد، السنن، ص:۱۱۰، رقم الحدیث: ۴۹۵۔
(۲۲) العنکبوت (۲۹) ۴۵۔
(۲۳) مسلم، الجامع الصحیح (الریاض، دارالسلام للنشر والتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ ۱۹۹۹ء) ص:۱۱۶۷، رقم الحدیث: ۴۲۲۳۔
(۲۴) ابوداؤد، السنن، ص: ۳۴۸، رقم الحدیث: ۱۶۹۴۔
(۲۵) نوائے وقت، لاہور) ۱۸ستمبر ۲۰۱۳ (ص:۷
(۲۶) ترمذی، السنن، ص: ۲۸۲، رقم الحدیث: ۱۱۶۰۔
(۲۷) لقمان (۳۱) ۱۴۔
(۲۸) النحل (۱۶) ۹۰۔
(۲۹) الرحمٰن (۵۵) ۶۰۔
(۳۰) ترمذی، السنن، ص: ۴۴۸، رقم الحدیث: ۱۹۱۹۔
(۳۱) نوائے وقت لاہور (۲۳جنوری ۲۰۱۴) ص:۸۔
(۳۲) بخاری، الجامع الصحیح، ص:۸، رقم الحدیث: ۳۰۔
(۳۳) ابوداؤد، السنن، ص:۹۴۹، رقم الحدیث: ۴۷۸۶۔
(۳۴) مسلم، الجامع الصحیح، ۳۳۰، رقم الحدیث: ۱۶۵۰۔
(۳۵) ابوداؤد، السنن، ص:۷۳۱، رقم الحدیث: ۴۳۰۸۔
(۳۶) روزنامہ پاکستان لاہور (۶مارچ ۲۰۱۶) ص:۸۔
(۳۷) روزنامہ جنگ لاہور (۲۳اپریل ۲۰۱۶) ص:۱۸۔
(۳۸) روزنامہ نوائے وقت لاہور (۷فروری ۱۹۹۷) ص:۱۔
(۳۹) روزنامہ جنگ لاہور (۱۳اگست ۲۰۰۹) ص:۱۔
(۴۰) البقرۃ (۲) ۲۵۶۔

(۴۱) الممتحنہ (۶۰) ۸۔
(۴۲) ابوداؤد، السنن، ص: ۶۲۳، رقم الحدیث: ۳۰۵۲۔
(۴۳) الذاریات (۵۱) ۱۹۔
(۴۴) الضحیٰ (۹۳) ۱۰۔
(۴۵) الحجرات (۴۹) ۱۳۔
(۴۶) احمد بن حنبل، المسند (بیروت، مکتبہ افکار الدولیہ) ص: ۱۷۳۰، رقم الحدیث: ۲۳۸۸۵۔
(۴۷) مسلم، الجامع الصحیح، ص: ۱۱۲۴، رقم الحدیث: ۶۵۴۱۔
(۴۸) الضحیٰ (۹۳) ۹۔
(۴۹) الاسراء (۱۷) ۳۴۔
(۵۰) النساء (۴) ۱۰۔
(۵۱) الحاقۃ (۶۹) ۳۰۔۳۴۔
(۵۲) ایضاً، ۲۱۵۔
(۵۳) النساء (۴) ۳۶۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆